© rasailojaraid.com

مولانا وجدی الحسینی

قسط

عربی ہی اُمّ الالسنہ کیوں؟

قدرت نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر جملہ حیوانات سے سربلند بنایا، فضیلت کا تاج پہنا کر سرافرازی بخشی۔ لیکن قفلِ دکان کا سرمایۂ امتیاز تو اس کے منہ میں رکھ دیا۔ بتیس دانتوں کے بیچ میں گوشت کا یہ لوتھڑا ہر وقت انسانی علم و ہنر، فضیلت و قابلیت کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ "زبان" جو خدا کی قدرتِ کاملہ، حکمتِ بالغہ کی ترجمان ہے، حضرتِ انسان کے امتیازی نشان کی حیثیت سے اس کی رفعت و عظمت کے گن گاتی رہتی ہے۔ نطق و گویائی ہی انسان کو حیوان کے دیگر انواع سے امتیاز بخشتی اور اس کی اشرفیت کا پھریرا ہر جگہ لہراتی رہتی ہے۔ قوتِ نطق ہی وہ خطِ فاصل ہے جو انسانیت حیوانیت سے بالکل جدا کر دیتا ہے۔

بندر اور بن مانس کے ہزارہا سال کا ارتقاء بھی ان کو اظہارِ خیال کے معاملہ میں انسانی سرحد کے قریب لا سکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ڈارون کے مزعومہ نظریہ کے مطابق حیوان و انسان کے درمیانی کڑیاں جو سلسلۂ کائنات سے گم شدہ ہیں قطعاً امید نہیں کی جا سکتی کہ ان کا سراغ لگ سکے گا۔ دل کو بہلانے کے لیے نظریات کے سہارے خلاء میں لٹکتے ہی چھوڑے جائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن مقصود و مدعا کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔

جو لوگ بے خدا کے کارخانۂ عالم کو چلانے کا باطل منصوبہ اپنے زور دماغی، دھینگا
سے ذہنوں میں بنانا چاہتے ہیں۔ ان کو یقین کرنا چاہیے کہ ڈرائیور اور کنٹرولر کے بغیر تمہاری
چلائی ہوئی گاڑی کسی گہرے کھڈ میں گر کر رہے گی۔

اپنے پیدا کرنے والے کی رحمتوں، مہربانیوں سے بیگانہ ہو کر جب بھی مسائل حیات و
کو سوچنے والوں نے سوچا ہے، ہمیشہ ان کو نادانیوں، بے عقلیوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔
گو سادہ لوح انسانوں کے سامنے ان نادانیوں، سبک مغزیوں کو دانائیوں، دانش
کے لباس میں پیش کیا گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ایک وقت آئے گا جب یہ جھول اتر
حقیقت اصلی چہرے کے ساتھ بے نقاب ہو گی۔

زبان کی تحقیق کے سلسلے میں علم الالسنہ کے ان محققین نے جو خدا اور اس کی قدرت
حکمت سے دامن کش ہو کر تحقیق کرنا چاہتے ہیں، جب اپنی تحقیقات و اکتشافات کا اظہا
ہے تو وہ ایسے مضحکہ خیز نظریات کی شکل میں ہمارے سامنے آئے ہیں کہ خندۂ زیر لب
ان کا استقبال کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ماہرین علم الالسنہ (فیلالوجی) کی تحقیقات کا تع
وہ زبان کی پیدائش کے بارے میں تین نظریات رکھتے ہیں، جن میں بعض کا تعلق اصو
سے بعض کا اشارات سے ہے۔ یا تصادم اشیا کی گونجوں سے زبان معرض اظہار میں
ہے، جن کو اصطلاحاً (۱) باؤ واؤ تھیوری (نظریۂ عف عف) (۲) بوبو تھیوری (نظ
اح) اور (۳) ڈانگ ڈانگ تھیوری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

باؤ واؤ تھیوری کا مطلب ہے کہ انسان بھی دیگر جانوروں (مثلاً کتے) کی طرح مخ
آوازوں سے اظہار مطلب کرتا تھا چونکہ انسان کے آلاتِ اصوات دیگر حیوانات
مقابلے میں مختلف آوازیں نکالنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس نے
آوازوں کے ذریعہ مختلف منصوبوں کے اظہار کے لیے طرح طرح کے الفاظ پیدا کر دیے
نظریہ کے قریب نظریۂ صوتیہ (اونومیٹوپوئٹک) ہے کہ انسان نے طبعی آوازوں کی
سے الفاظ تجویز کیے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بو بو[2] تھیوری سے مراد یہ ہے کہ مختلف جذباتِ انسانی کا اظہار قدرتاً مختلف آوازوں سے ہوتا ہے، اس لیے وہ الفاظ بیساختہ فطرت انسانی سے صادر ہوئے، رفتہ رفتہ زبان عالم وجود میں آئی۔

تیسری[3] ڈانگ ڈانگ تھیوری کا اصول یہ ہے کہ ایک چیز سے مختلف معدنیات و جمادات وغیرہ پر ضرب لگائی جائے تو اس چوٹ سے گوناگوں آوازیں پیدا ہوکر فضا میں ارتعاش پیدا کرتی ہیں، یہی کیفیت انسانی دماغ کی ہے، اس پر مختلف بیرونی تأثرات کے تصادمات سے نوع بنوع کی گونجیں سامعہ نواز ہوئیں، انھوں نے رفتہ رفتہ الفاظ بن کر زبان کا لباس پہن لیا۔

ان تمام خیالات ونظریات کی بنیاد اس باطل نظریے پر ہے کہ انسان نے قدرت کی فیاضیوں سے اکتساب کیے بغیر خود بخود زبان کو منصۂ ایجاد پر جلوہ گر کر لیا جس طرح کہ وہ اپنے آپ فطرت میمونی سے ارتقاء پذیر ہوکر قالب انسانی میں ڈھل گیا یا خود حیات اس وسیع کائنات میں کہیں سے بھٹک کر آموجود ہوئی، عیاذاً باللہ۔

یہ ہماری جدید سائنس کی قدیم شعبدہ طرازیاں ہیں، جو اٹھارہویں، انیسویں صدی تک ذہن انسانی کو حیرت زدہ بناتی رہیں اور صحیح افکار وخیالات کو خلط ملط کرکے انسان کے دماغ سے کھیلتی رہیں۔ لیکن اب بیسویں صدی کی سائنس نے اپنے دائرہ عمل کو محبوس کرلیا ہے اور فکر ونظر کی دنیا میں قدم رکھنے سے محتاط رہتی ہے۔ تجربات و مشاہدات آگے بڑھ کر نظریاتی دنیا میں (جہاں سے فلسفہ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے) خود کو پہنچانے سے باز رکھتی ہے۔

جہاں تک ہم سمجھتے ہیں انسان مبدأ فیاض کی فیض بخشیوں سے رہین منت ہوئے بغیر جب بھی مسائل حیات و کائنات کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا تو حقیقت کی گتھی کو سلجھانے کے بجائے اور الجھاتا جائے گا۔

© rasailojaraid.com